Tauseeq, Volume. 4, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v4i1.69

Received: 26-04-2023
Accepted: 27-05-2023
Published: 30-06-2023

اسد محمد خان کی گیت نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

An Analysis of Asad Muhammad Khan's Song writing

ڈاکٹر شہاب الدین*
ڈاکٹر تقویم الحق**
ڈاکٹر محمد سلیمان***

Abstract:

Asad Muhammad Khan is a fiction writer, but along with, he has also made a distinct identity by writing poems and songs in literary world. His song's collection "Rokey Hovay Sawan", firstly released in 1977 but the included songs written in 70s. His literary life started with these songs and poems that published from time to time in various literary magazines and digests. He has described these songs as his 'first love'. These songs have the charm of Hindi language. He has done many experiments in 'form'. In his songs, both chanting and music combines to create a strange atmosphere. Like traditional folk songs, in these songs he has expressed immense love for his lover on the part of a love-struck woman. He has immortalized the 14 rag-ragas of music in the form of his songs.His love for the soil of his homeland becomes a song. Therefore, he posses a distinct and unique recognition amongst Urdu lyricists.

Keywords: Asad Muhammad Khan, Songwriting (Geet), National Songs (Mille Naghmay), Music, Love, Patriotism, Lover, fluency.

اسد محمد خان کی شہرت ادبی دنیا میں ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ہے لیکن ان کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۶۰ء میں شعر گوئی سے ہوئی۔ ابتداً انھوں نے نظمیں اور گیت

* لیکچررشعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی پشاور۔
** لیکچررشعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی پشاور۔
*** لیکچررشعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی پشاور۔

لکھے جو وقتاً فوقتاً مختلف ادبی رسائل میں چھپتے رہے۔ ان کی شعری تخلیقات میں گیتوں کا مجموعہ " ُرکے ہوئے ساون" کے عنوان سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ وہ شاعری کے عالوہ عل ِم موسیقی سے بھی خاص شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے وارث شاہ کے ۳۹ ُسروں میں سے گیارہ ُسروں میں گیت لکھے۔

۱۹۶۵ء میں اسد محمد خان نے ریڈیو پاکستان کے لیےگیت اور خاکے لکھنے شروع کیے۔ اس کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے گیت لکھنے لگے۔ ان کے گیت مختلف ادبی جریدوں میں چھپتے رہے، جس کے حوالے سے وہ خود کہتے ہیں کہ ٹیلی ویژن والوں نے میرے گیت پڑھے یا ریڈیو پر ُسنے ہوں گے۔ اس وقت افتخار عارف صاحب اسکرپٹ ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور احباب نے بھی مشورہ دیا کہ لکھو۔ سو میں نے گیت لکھنا شروع کیا۔

ماہنامہ 'چہار ُسو' کو انٹرویو دیتے ہوئے اسد محمد خان نے کہا: "مجھے گیت اور نظمیں لکھنے میں لطف آ رہا تھا۔ گھر میں ذمہ داریاں بڑھیں تو احباب نے پیسے کمانے کے لیے ریڈیو پر خاکے لکھنے کی راہ سجائی۔ پھر پی ٹی وی نے گیت لکھنے پر آمادہ کیا مگر کیونکہ ٹی وی ڈراما لکھنے کی اجرت، گیت کی اجرت سے زیادہ تھی اس لیے ڈرامے لکھنے لگا۔")۱(

اسد محمد خان کے گیتوں کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اردو گیت نگاری سے متعلق مختلف ناقدین کی تنقیدی آراء کو بھی مدنظر رکھا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ اردو ادب میں گیت کا مقام کیا ہے؟ اس حوالے سے ڈاکٹررفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"گیت گانے کی چیز کو کہتے ہیں۔ اس کا موسیقی سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے گیت میں ُسرتال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اصطالح میں گیت وہ صن ِف شعر ہے جس میں ایک عورت، مرد کو مخاطب کر کے اظہا ِر محبت کرتی ہے۔ گیت میں جذبات و احساسات خصوصاً ہجر اور فراق کی کیفیت بڑے والہانہ انداز میں بیان کی جاتی ہے۔ بعض گیتوں میں محبت کا اظہار مرد کی طرف سے بھی ہوتا ہے مگر گیت کا بنیادی مزاج یہی ہے کہ وہ محبت میں مبتال ایک عورت کے دل کی پُکار ہے۔")۲(

ڈاکٹر وزیر آغا رقمطراز ہے:

"گیت، مزاجاً نسوانیت کے غنائی اظہار کی ایک صورت ہے۔ ثقافتی لحاظ سے زمین سے اس کا نہایت گہرا تعلق ہے اور زمین، عورت کے مشابہ ہے اور عورت ہی کی طرح روح کو ارضی جسم عطا کرتی ہے اور زندگی کی بقا اس کا عظیم ترین مقصد ہے۔")۳(

اظہر علی فاروقی اپنے مضمون 'اردو گیت' میں لکھتا ہے: "گیت عام طور پر رومانی اور مثالی ہوا کرتے ہیں۔ رومان پرور شاعروں نے شباب کے ولولہ خیز جذبات سے متاثر ہو کر اس صنف شاعری کو اپنایا ... عام طور سے ان گیتوں میں وہ رومان زدہ نوجوان ہیں جو سماجی قیود اور رسوم کی وجہ سے ایک نہ ہو سکے ہوں۔")۴(

اس حوالے سے نفیس اقبال لکھتی ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ گیت زیادہ تر مردوں نے ہی تخلیق کیے ہیں لیکن بنیادی طور پر گیت عورت کی جانب سے جذبے کا اظہار ہے ... گیت طائرِ بہار کا ہو یا خزاں رسیدہ پتوں کا۔ ایک بات طے ہے کہ گیت سر تا پا جمال ہی جمال ہے۔ گیت جاللی کیفیتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب نظم کے پیکر کو جمال اور لطافت کا لباس پہنایا جائے تو گیت جنم لیتا ہے۔ گیت میں موسیقیت کا مقام وہی ہے جو جسم میں قلب کا ہے۔")۵(

ڈاکٹر سلیم اختر گیت سے متعلق لکھتے ہیں: "جذبہ جب رس میں تبدیل ہو جائے تو گیت جنم لیتا ہے۔ جسم کی پکار جب کوملتا کارنگ پکڑے تو گیت کے بولوں میں ڈھلتی ہے۔ حسن برھا کی آگ میں لے تو گیت نغمہ کے پیکر میں ڈھلتا ہے۔")۶(

مندرجہ بالا تمام تنقیدی آراء کی روشنی میں جب اسد محمد خان کے گیتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو انھوں نے اردو گیتوں کو وہی کوملتا دی اوروہی رنگ پہنایا جو اس وقت گیتوں میں رائج تھا۔ "رُکے ہوئے ساون" کے دیباچہ میں لکھتا ہے: "گیت میری پہلی محبت ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ پہلی محبتیں زیادہ دیر تک نہیں چلتیں۔")۷(

یہی وجہ ہے کہ بعد میں اسد محمد خان نے گیتوں کے بجائے افسانے لکھنے شروع کیے، جس پر ان کے دوستوں نے ان سے کہا کہ شاید تم میں تخلیق کے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔

"لوگ کہتے ہیں تمہاری لفظیات اور تمہارا idiom بہت نامانوس بلکہ alien ہے اس لیے زیادہ دور نہیں چل پائے،)واہ جناب! گیت کا گہوارہ پنجاب ہے، پھر ماں سنسکرت سےدونوں محترم زبانوں، سندھی اور پنجابی نے اتنا کچھ ورثے میں لیا ہے کہ سینتالیس برس پہلے جب میں مالوے بُندیل کھنڈ سے یہاں آیا تھاتو پنجابی ٹپے، بولیاں اور گیت، سندھی مائیاں اور آبیات مجھے کتابی)اور اخباری(اردو کے مقابلے میں قریب تر اور کہیں زیادہ مانوس لگی تھیں۔۔۔ آج تک یہی حال ہے۔ تو پھر میری لفظیات اور idiom کم سے کم پنجاب اور سندھ میں مانوس کیسے ہو سکتے ہیں؟")۸(

گیتوں سے دوری کے حوالے سے اسد محمد خان اعتراف کرتا ہے کہ مجھ میں دم خم ہی نہیں تھا کہ اس مشکل فن کو نبھاتا۔ وہ لکھتا ہے: "پھر لوگ یہ بھی کہتے ہیں اور شاید ٹھیک ہی کہتے ہوں گے کہ، اسد محمد خان! آپ میں دم نہیں تھا اس لیے میاں، جلد سانس پھو گئی سو اپنی کیسری رنگ بیاض لپیٹ کے دری کے بیرونی حاشیے پر جا بیٹھے ... نکل گئے گیت کے سبھا سے۔ یہ آخری بات میرے دل کو بھی لگتی ہے۔ شاید میں نے ہی نیم دلی سے گیت کا دامن تھاما ہو گا جو ساتھ چھوٹ گیا۔")۹(

مگر ساتھ ہی وہ یہ اعتراف بھی کرتا ہے کہ گیتوں نے مجھےسرشار رکھا۔ میرے لڑکپن اورجوانی میں اور میرے ادھیڑ پن میں اور اس وقت بھی کہ جب میں ادھیڑ عمر سے آگے نکل چکا ہوں۔ اسد محمد خان نے اپنے گیتوں کے مجموعے " رُکے ہوئے ساون" کی ابتدا حمد و نعت سے کی ہے۔ ہندوی طرز پر لکھے گئے اس حمد میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کا اعتراف کیا ہے۔

آنکھوں میں رنگ ترے کیسے اتاروں
بادل کی اوٹ بھال کس کو پکاروں صدیوں
کے روپ تری گھڑیاں گزاروں

تو ہی کرے پار میری نیّا
سورج کو ہاتھ بڑھا من میں چھپا لوں کرنوں
کے پھول سبھی ماتھے سجالوں لہروں میں
لہر بنوں موتی اجالوں تو ہی کرے پار میری
نیّا

اسی طرح حمد کے بعد دو گیت نعتیہ ہیں۔ ان دونوں گیتوں میں اسد محمد خان نے حضورﷺ سے اپنی والہانہ محبت اور عقیدت کا اظہار بڑے چاؤ اور لگن سے کیا ہے۔

میرے بچھڑے مِیت مال دو
مجھے اپنی ڈگر لگا دو
تم بھئے جگت کے گوال ؑ بھئے
امر اجیالے

دوسری نعت میں بھی اسد محمد خان ایک سچے عاشقِ رسول کی طرح حضورﷺ سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار بڑی عقیدت سے کرتا ہے۔

سندر نام تہار نبی ج ی سندر نام تہارو
آ پ مر لیا، آپ بجیّا
آ پ چندریکا، آ پ بدریا

ساگر نام تہار نبی ج ی
سندر نام تہارو

اسد محمد خان نے علم موسیقی پر کئی نظمیں لکھی ہیں۔ موسیقی کی جن ۱۴ راگ راگنیوں پر انہوں نے گیت لکھے ہیں۔ ان میں 'الہیّا، یمن کلیان، ساموںڈی، پَٹ دیپ، مالکونس، بھیرویں، سندھڑو، ایمن، پوریا دھنا سری، جوگ، ملہار، باگیسری، درباری اور بابل' شامل ہیں۔

اسد محمد خان اپنے گیتوں میں ہندی کے خوبصورت اور مدھر الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ 'الھیّا' راگ میں من موہنے الفاظ خوبصورت سماں پیدا کرتے ہیں: سیّاں رے

سیّاں ڈھونڈیں کہاں بولو
کہاں جا بسے مورے من کے بسیّا
نا کوئی سنگی، نا کوئی ساتھی
نامورے سنگ کے کھلیّا

سیّاں رے

ناموری بانی ناموری بینا
نامورے بس میں بجیّا

سیّاں رے

مالکونس راگ کا ایک گیت مالحظہ ہو جس میں اسد محمد خان نے بسنت رُت کی خوبصورتی بیان کی ہے۔

خواب کی ترنگ میں جو ناچنے لگی کرن بار بار نیند
سے یہ جاگنے لگے نین نین میں گالب بیال چندر
کرن پھولے ڈار ڈار پینگ بھرے مست مست
جھولے

کون سی امنگ میں یہ کھل رہی کلی کلی بادلوں میں
کون ہے یہ کس لیے ہوا چلی رنگ کیوں چھلک پڑے
ری مدھ بھری بہار کے دن ابھی تو آئے ہیں یہ روپ
کے سنگھار کے

مند مند سی سگندھ بانٹنے لگی گھٹا
دور دور تک کسے پکارتی چلی ہوا
پربتوں کے آس پاس کس لیے ٹھہر گئی کس لیے
ٹھہر گئی یہ پالکی بہار کی

اس گیت کے الفاظ پر غور کیجیے، کس قدر خوبصورت اور موسم کے مطابق سبک، شیرین اور دلکش الفاظ ہیں۔ پوری گیت میں قدرتی ماحول کی کوملتا اور دلآویزی الفاظ کی موسیقیت سے مل کر ایک غنائی لہجہ پیدا کر رہی ہے۔ عام طورپر گیت میں عورت کے جذبات و احساسات کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسد محمد خان کےگیتوں

میں بھی عورت کو ہی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے عورت کی زبان سے ہجر و فراق کی کیفیت کو خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

راگ 'جوگ' میں لکھا ہوا گیت مالحظہ ہو: پیا

نا ہیں آئے جیا گھبرائے
یاد میں ان کی نین جالئے بَین
سنائے بَن بَن گائے سانجھ سویرے
نِیر بہائے
کونج اکیلی اب ِکت جائے
پیا نا ہیں آئے

روٹھے تو روٹھے کون منائے کون
ہنسائے کون رالئے
ُرت کوئی ُدوجی اب کے نہ آئے
پیا نا ہیں آئے

پیاکے انتظار میں سجنی کس طرح ایک ایک پل کانٹوں پہ گزارتی ہے۔ اس گیت میں عورت کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے کہ جب موسم کی خوبصورتی کاٹھ کھانے کودوڑتی ہے، دل میں وسوسے اور گھبراہٹ کے مارے طرح طرح کے خیاالت جنم لیتے ہیں۔ سورج کی پہلی کرن اسے ایک دفعہ پھر انتظار کی سولی پہ لٹکا دیتی ہے۔ روٹھنا، ہنسنا اور رونا اب سے بے کار ہے اور یہ خوبصورت موسم پھر کبھی نہیں آئے گا۔

اسی طرح 'ملہار' راگ بارش کا راگ ہے۔ گیت مالحظہ ہو: رم جھم
رم رجھم مینہا برسے کویل کوکے ڈار پے

ساجن ساجن رٹتی جا ٔوں پل
پل ناچوں نِس دن گا ٔوں من ہی
من میں کیوں دہرا ٔوں مکھڑے
میگھ ملہار کے

دھرتی جھومے بادل ناچیں جل تھل
دیکھیں پیاسی آنکھیں مہکے پ َون
مہکائیں راتیں گجرہ ہار
سنگھار کے

بجھتے نینن سپنے آئے

تن من میں ہریالی چھائے اُمڑ
گھمڑ کے بدری الئے
کتنے ُسگن بہار کے

اس گیت میں رم جھم کے موسم میں 'پیا'سے دور ایک عورت کے جذبات کی خوبصورت عکاسی کی گئی ہے۔ ہر طرف بارش ہے، منظر انتہائی خوبصورت ہے۔ ہر طرف کویل کوکتی ہے۔ میرے ہونٹوں پہ اے محبوب!بس تیرا ہی نام ہے۔ ہر وقت ساجن ساجن کرتی گا ؤوں میں گاتی ناچتی جاتی ہوں کہ ایک دن میرا محبوب آئے گا۔ اس لیے ہر وقت بنا ؤسنگھار میں رہتی ہوں۔ پتہ نہیں کب ساجن اچانک آ جائے۔ اس لیے میں موسم بہار کی اس خوبصورت موسم میں محبوب کا انتظار کرتی ہوں۔

'باگیسری' راگ کا گیت مالحظہ ہو:

کاہے تڑپت ہو نیناں ہمری
اور پیو آج آئے ہیں ایسے بسانا بس ہی
جائیں رے نیناں

ان کی یاد میں بیتی گھڑیاں دن بیتے
اور بیتیں رتیاں ایک جھلک پر
جیون وارا

کس کس کو سمجھانے جائیں رے نیناں

بات کریں یا دیکھیں ان کو
یا پلکوں سے چھو لیں ان کو
ان کے درس کی اِس اگنی میں ڈر

الگے ہے جل نہ جائیں رے

نیناں

اسد محمد خان نے اس گیت میں اس عورت کی خوشی کا حال بیان کیا ہے جو محبوب کےآ جانے سے بہت زیادہ خوش ہے۔ وہ اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں اور پلکوں میں بسانا چاہتی ہے۔ وہ محبوب جس کے انتظار میں کئی گھڑیاں بیت گئیں اور جس کا ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ زندہ تھی، آج وہ آئے ہیں تو اپنی خوشی سنبھال نہیں پا رہی۔ وہ اپنے

محبوب کو دیکھنا بھی چاہتی ہے اور ان سے بات بھی کرنا چاہتی ہے۔ مگر وہ محبوب کی تیز و گرم نگاہوں کا سامنا نہیں کر سکتی اور جس کی تپش وہ اپنے اندر محسوس کر رہی ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن پر ۷۰ء کی دہائی میں ایک گیت انتہائی مقبول ہوا جو اسد محمد 'درباری' راگ میں لکھا ہوا گیت تھا۔ 'انوکھی الڈال'، اس گیت نے بہت شہرت پائی۔ انوکھا الڈال

کھیلن کو مانگے چاند
کیسی انوکھی بات رے
تن کے گھاؤ تو بھر گئے داتا نہیں
من کا گھاؤ بھر پاتا
جس کا حال سمجھ نہیں آتا کیسی
انوکھی بات رے

انوکھا الڈال
پیاس بجھے کب اک درشن میں تن
سلگے بس اک لگن میں من بولے
رکھ لوں نینن میں کیسی انوکھی
بات رے

انوکھا الڈال
جس پہ نہ بیتی وہ کب جانے جگ والے
آئے سمجھانے
پاگل من کوئی بات نہ مانے
کیسی انوکھی بات رے

انوکھا الڈال

اس وقت اِس گیت نے انتہائی مقبولیت حاصل کی تھی۔ اس کو پی ٹی وی پہ بار بار نشر کیا جاتا رہا۔ اسی طرح ایک اور گیت جو پہلے ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا اور اس کے بعد پی ٹی وی پر نشر ہونے لگا۔ یہ گیت 'رونا لیلیٰ' نے گایا تھا۔ اس گیت کو بھی مقبولیت ملی۔

یہ گیت 'بابل' راگ میں لکھا گیا تھا۔ ایک ایسی عورت، جو اپنی سہیلیوں سے دور جا رہی ہے، کے دلی جذبات پر مبنی ہے۔ یہ گیت آج بھی شادی بیاہ کے موقعوں پر رخصتی کے گیت کے طور پر گایا جاتا ہے۔

میں تو چلی ایے ری سکھیو بدیسوا
اپنی سہیلیوں سے دور بابل
کی گلیوں سے دور

کاہے کو انگنا میں جھالے برستے اس بار
کاہے کو بادل گرجتے
بتال ؤ کس کاج چمکے بجریا
کاہے کو ناچے مَیُور
بابل کی گلیوں سے دور

انجان گلیوں میں سُونی دوپہریں
سُونی دوپہروں میں دکھ آن گھیریں
یادوں سے آباد گھر میں سہیلیو،
ڈھونڈوں گی تم کو ضرور بابل
کی گلیوں سے دور

ملنے جو آئیں تو پلکیں بچھاؤں سو بار
روٹھیں میں رو رو مناؤں
بھیا بہن مورے شیشے کی گڑیاں
کیسے کروں چور چور
بابل کی گلیوں سے دور

اس رخصتی کے گیت کو آج بھی وہی مقبولیت حاصل ہے جو اس وقت حاصل تھی۔ اس میں وہی دلی جذبات بیان کیے گئے ہیں جو کوئی بھی لڑکی بابل کا گھر چھوڑتے وقت محسوس کرتی ہے۔ دکھ، درد، جدائی، انجانے دیس کی طرف سفر، بہن بھائیوں کا پیار، کھلونے، سہیلیوں کی یاد اور ماں باپ سے جدائی کو جس خوبصورت انداز میں اسد محمد خان نے اس گیت میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، وہ محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک اور گیت جو ۷۰ء کی دہائی میں پاکستان ٹیلی ویژن سے نشر ہوا بہت زیادہ مقبول ہوا۔ یہ گیت 'روبینہ بدر' نے گایا تھا اور اس گیت کو آج بھی نئے گلوکار گا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس گیت میں بھی ایک عورت کے دلی جذبات کو موسیقی کے تاروں میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے۔

تم سنگ نیناں ال گے مانے نہیں جِیارا
پیا پیا بولے پیا من کا پپیہارا

اتنا بتا دو کاہے مٹ گئی بندیا
تم ہی کہو نا پیا کِٹ گئی نِندیا

سَنگ مناؤں کیسے مانے ناہیں جِیارا

پیا پیا بولے پیا من کا پپیہارا
سپنوں میں آؤ پیا کہوں ساری باتیں
رو رو گزاریں پیا کیسی کیسی راتیں

تم کو بھلاؤں کیسے
مانے ناہیں جیارا

پیا پیا بولے پیا من کا پپیہارا

اس گیت میں بھی اسد محمد خان نے ایک ایسی عورت، جو اپنے محبوب سے جدا ہے، کی عکاسی کی ہے۔ ساری ساری رات اس کے انتظار میں رو رو کر گزارتی ہوئی اب دکھ برداشت سے باہر ہے، اس لیے محبوب سے سپنوں ہی میں ملاقات کرنے اور دل کی باتیں کہنے کے لیے کہتی ہے۔ اس کا دل کسی بھی طرح محبوب کے بغیر نہیں لگتا اور ہر وقت محبوب کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ اس گیت کی موسیقی کمال کی ہے اور گیت کی تان پر ساری دھرتی رقص کرتی دکھائی دیتی ہے۔ گیت میں دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والے معصوم بول ہیں۔ اس گیت میں دل کی بات دل کی زبان سے کہی گئی ہے۔ عورت کا سارا جمال اوراس کی ساری نسوانیت گیت کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔ اس گیت میں وہ فطری سادگی اور معصومیت ہے جس کی آج کے مشینی دور میں بہت زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ گیت سننے والے کوفطرت سے قریب کر دیتی ہے۔ اس گیت کے ذریعے انسان ایک ایسا سکون محسوس کرتا ہے جو ہمیں آج کی باشعور تہذیب کے بوجھ سے نجات دالتی ہے
اورانسان کو فطری زندگی سے ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ اسد محمد خان کے تمام گیتوں میں حسن و عشق کا ذکر ملتا ہے۔ ویسے بھی تصوف اور فلسفیانہ مضامین گیت کی طبع نازک برداشت نہیں کر سکتی۔ ہندی زبان میں ایک مالئمت، مٹھاس اور نرمی ہے جس سے گیت میں حالوت اور شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ ان کا ایک اور
ت مالحظہ کیجیے جس میں ہندی زبان کی مٹھاس کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جو میں ایسا
جانتی کہ پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پیت نہ کچھ کوئے

مورے نینوں کی نندیا لوٹ لئی مورے بانکے رسیلے سانوریا مورے ماتھے کی
بندیا لوٹ لئی مورے بانکے رسیلے سانوریا

گیت میں فراق کی کیفیت کو تقریباً سبھی گیت نگاروں نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسد محمد خان نے بھی اپنے گیتوں میں اس کیفیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ

فطرت سے نادر تشبیہات ڈھونڈ ڈھونڈ کر گیتوں کی موسیقیت میں خوش کن اضافہ کرتارہتا ہے۔

'پوریا دھنا سری' راگ، جو موسیقی کی مشہور راگوں میں سے ایک راگ ہے، کو اسد محمد خان نے گیت کی لڑی میں سمو کر امر کر دیا ہے۔ اس گیت میں محبوب کے واپس نہ آنے پر عورت کے جذبات کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

سانجھ بھئی پھر ہوا اندھیرا من پھر ڈوبا جائے
میں دکھیاری برہا کی ماری پریتم تم نہیں آئے

گھور اندھیری راہ نہ سوجھے
کوئی کدھر کو جائے پھن
پھیالئے رات کی ناگن پگ پگ
ڈستی ہے پریتم تم نہیں آئے
چاند ستارے نین بچارے درس
بِنا کجالئے

سیاہ راتوں میں تنہائی ناگن بن کر محبت کی ماری عورت کو پل پل ڈستی ہے اور محبوب کی دیدار کے لیے چاند، ستارے بلکہ پوری کائنات ترس رہی ہے اور فراق میں موسم بھی مجھ سے بچھڑ گئے، روٹھ گئے، اب میرے آنگن میں موسم نہیں اترتے۔

دل کی گہرائیوں سے ایک عورت اپنے پریتم کو چاہتی ہے۔ یہ بول ہماری امنگوں، خواہشوں، راحتوں، غموں اور حسرتوں کے ترجمان ہوتے ہیں جوسنتے ہی دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ اسد محمد خان کے گیت اس قدر بے ساختہ اور قدرتی ہوتے ہیں جیسے وہ کسی اور کے دل سے نہیں بلکہ خود سننے والے کے دل سے نکلے ہوں۔ ان کی سنگت دل اور صرف دل ہے۔ گیت چونکہ دھرتی کی پیداوار ہوتے ہیں، اس لیے گیتوں کی بنیاد ہمیشہ لوک گیت ہی ہوتے ہیں۔ ان کے گیت لبوں سے نکلتے ہی دل اور جگر تک اترتے چلے جاتے ہیں۔ اسد محمد خان کے کئی گیت پرانے ہونے کے باوجود بھی نئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ان کی برتری کی دلیل ہے۔اگر وہ اپنے دور کے ہنگامی خاکے ہوتے تو کبھی زندہ نہ رہ سکتے۔

ہر موسم کے اپنے گیت ہوتے ہیں۔ ہر تیوہار اپنے گیت ساتھ التا ہے۔ ان کے ہاں بھی کئی موسموں اور کئی تیوہاروں کے گیت ملتے ہیں۔ انھوں نے ان گیتوں میں اپنی روایات کی خوب پاسداری کی ہے۔ ان میں عوامی شعور بھی ہے اور سادگی اور معصومیت بھی۔ گیتوں کے حوالے سے نفیس اقبال لکھتی ہیں: "دنیا میں کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں دھڑکتے دلوں کے محسوسات مترنم نغموں اور ُسریلے گیتوں میں رچ بس کر فضا ؤں میں رسے بسے نہ ہوں۔۔۔

ان تمام گیتوں میں جذبے کی ہم رنگی اور محسوسات کی
ہم وصفی ایک قدر مشترک
ہے۔")۱۰(

اسد محمد خان کے کئی ملی نغمے بھی کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور پی ٹی وی پر قومی دن کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک ملی نغمہ جو پی ٹی پر اکثر ۱۴۔اگست اور ۲۳ مارچ کو نشر کیا جاتا رہا اور اسکولوں میں بچے بھی گاتے رہتے ہیں، مالحظہ ہو:

موج بڑھے یا آندھی آئے دیا جالئے رکھنا ہے
گھر کی خاطر سَودکھ جھیلیں گھر تو آخر اپنا ہے

پی ٹی وی پر ہی ایک اور ملی نغمہ بہت زیادہ مشہور ہوا اور آج بھی قومی دن کے موقع پر اسی نغمے کی گونج ہر سمت سنائی دیتی ہے۔ مالحظہ کیجیے: زمیں کی گود رنگ سے امنگ سے بھری رہے

خدا کرے سدا یہ روشنی رہے دلوں
میں اک خواب تھا بسا ہوا نظر میں
اک گالب تھا چھپا ہوا
عجب بہار میں کھال وہ پھول ماہتاب کا
یہ تازگی، یہ زندگی، یہ چاندنی
خدا کرے سِوا یہ چاندنی رہے

اسد محمد خان کے گیتوں میں سب رنگ موجود ہیں۔ عقیدت، محبت، نفرت، وطن کی الفت، ہجر و وصال کے بنیادی جذبے ان کے گیتوں کا محور ہے۔ اس نے گیت میں مختلف کامیاب تجربے کیے۔ ہیئت کے مخصوص سانچے جذباتی لہروں کا ایک خاص رنگ اور زبان و بیان کا ایک خاص انداز و لہجہ ان کے گیتوں کو انفرادیت بخشتا ہے۔ ان کے گیتوں میں موسیقیت کا مرکزی وصف ضرور ہے مگر گیتوں کی روح سوز و سرور، افسردگی اور نشاط آرزو کی مرکب لہریں اس کو خاص بناتی ہیں۔ ان کے دل شکستگی کے ساتھ لہجے کا آرزومندانہ رنگ، ماحول اور فضا کی جزئیات، تفاصیل اور سوز و گداز ایسے عناصر ہیں جو ان کے گیتوں میں بنیادی کردار اد کرتے ہیں۔ گیت میں ہیئت کے اعتبار سے تنوع کے باوجود ٹیپ یا استھائی کا عنصر ان کے گیتوں میں موجود ہے۔گیت میں ٹیپ یا استھائی کی تکرار، نغمے میں وحدت پیدا کرتی ہے۔ ٹیپ کی تکرار موسیقیت کے ساتھ ساتھ تاثر کی گہرائی کا بھی پتہ دیتی ہے۔ ان کے گیت لمبے لمبے واحد مصرعوں میں ہونے کے بجائے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہیں۔ گیت میں صوتی تواتر سےموسیقیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے نغموں میں بہت سی معنوی خوبیاں آپس میں مل کر گیت کا سنگیت تیار کرتا ہے۔

وطن دوستی، اسد محمد خان کے گیتوں کا ایک انتہائی مضبوط حوالہ ہے۔ ملی نغمے اورگیت میں اس نے اپنے وطن سے محبت، عقیدت اور وفاداری کا اظہار کئی بار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

باندھیں تو یہی بندھن باندھیں یوں جینا کس کام جئیں تو اس
دھرتی کے ناتے مریں تو اس کے نام

یا ایک اور گیت ملاحظہ ہو: آج
کے دن کہ ہر دن دعا ہے یہی
اب دعا ہے یہی
جب تلک چاند سورج ستارے رہیں
جگمگاتے رہیں اپنے دشت ودمن
اپنے شہر اپنے بَن

اسد محمد خان اپنے وطن کے سپاہیوں کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کے محنت کش کسانوں سے بھی محبت کا اظہارکرتے نظر آتے ہیں اورانھیں وطن کی ترقی میں برابر کا حصہ دار سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

یہ دھرتی کے چھیل چھبیلے
کےیہ کنول سجیلے
کہساروں کی آن کسان
یہ مانجھی یہ

لہروں کےدل شاد انھی سے
چوپالیں آباد انھی سے
ان سے وطن کی شان
یہ مانجھی یہ کسان
یہ خوشحال و فریدکی دولت
شاہ لطیف کو ان سے الفت
یہ سؔچل کی جان
یہ مانجھی یہ کسان

اسد محمد خان نے ایک گیت میجر سیداقبال جواد شہید (ستارۂ جرأت) کے نام کیا ہے، جنھوں نے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو چھمب سیکٹر میں دریائے توی کے پار جامِ شہادت نوش [کیا۔ و]ہ اس سپاہی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے، اس سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مت سمجھو
ہم نے بھال دیا
یہ مٹی تم کو پیاری تھی

سمجھو مٹی میں سال دیا
یہ پھول برس جو بیت گئے
ان گل برسوں کا اک اک پل
ہم نے تم سے آباد رکھا
ہر لحظہ تم کو یاد رکھا
تم جن سے ہمیشہ قریب رہے ہاں
ان کے قریب تو آج بھی ہو جن لوگوں
کو تم نے چاہا تم ان کے حبیب
تو آج بھی ہو

اسد محمد خان کے شروعاتی گیتوں میں ایک مشہور گیت 'میں وندھیاچل کی آتما' ہے، جس کی وجہ سے ادبی حلقوں میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے اور گیت فہم نقادوں نے دل کھول کر تعریف کی ہے۔ الغرض ان کے گیت، گیت نگاری کی تاریخ میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے گیت کو اپنی 'پہلی محبت' قرار دیا ہے۔ وہ بوجوہ گیت نگاری کو جاری نہ رکھ سکا اور صرف ایک ہی شعری مجموعہ میں سمو دیا۔ اگر وہ گیت نگاری کو جاری رکھتے تو
آج افسانہ کے ساتھ ساتھ گیت میں بھی وہ اعلیٰ پایہ کے گیت نگار ہوتے۔

حوالہ جات

۱۔ اسد محمد خان، چہار سُو، جلد ۱۷ ، شمارہ جنوری فروری ۲۰۰۸ء، ص ۱۸
۲۔ ڈکٹر رفیع الدین ہاشمی، اصناِ فِ ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، الہور، ۱۹۹۱ء، ص ۷۲
۳۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب، الہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۷ ۴۔ اظہر علی فاروقی، اردو گیت مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقاء، مرتب: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، االعجاز پبلی کیشنز، الہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۱۵
۵۔ نفیس اقبال، پاکستان میں اردو گیت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، الہور، ۱۹۸۶ء، ص ۷
۶۔ ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، الہور، ص ۱۷۴
۷۔ اسد محمد خان، رُکے ہوئے ساون، فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۷
۸۔ ایضاً
۹۔ ایضاً
۱۰۔ نفیس اقبال، پاکستان میں اردو گیت نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، الہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲

References

1. Asad Muhammad Khan, Chahar Soo, Vol.17, Jan-Feb 2008, p.18
2. Dr. Rafiuddin Hashmi, Asnaf-e-Adab, Sang-e-meel Publications, Lahore, 1991, p.72

3. Dr. Wazir Agha, Urdu Shairi ka Mizaj, Majlis-e-Taraqi-e-Adab, Lahore, 2008, p. 147
4. Azhar Ali Farooqi, Urdu Geet, Urdu Shairi ka Fanni Irtiqa by Dr. Farhan Fatehpuri, Al-Ijaz Publications, Lahore, 2007, p. 415
5. Nafees Iqbal, Pakistan main Urdu Geet Nigari, Sang-e-meel Publications, Lahore, 1986, p.7
6. Dr. Salim Akhtar, Urdu Adab ki Mukhtasar Tareen Tarikh, Sang-e-meel publicaitons, Lahore, p. 174
7. Asad Muhammad Khan, Rokay Hovay Sawan, Fazli Sons, Karach, 1997, p.7
8. ibid
9. Ibid
10. Nafees Iqbal, Pakistan main Urdu Geet Nigari, Sang-e-meel Publications, Lahore, 1986, p.22